الایّام: مجلس تحقیق برائے اسلامی تاریخ و ثقافت، کراچی جلد:۱۰، شمارہ:۲، جولائی ۔ دسمبر ۲۰۱۹ء

محمود تیمور کے افسانوں کا مطالعہ

عمیر رئیس الدین *

سنبل انصار **

ابتدائیہ

افسانہ نثری ادب کی ایک اہم صنف ہے۔ جس کو افسانوی ادب بھی کہا جاتا ہے۔ عربی ادب میں افسانوی ادب کی تاریخ کچھ زیادہ قدیم نہیں۔ عربی ادبیات میں قصہ ، کہانی، داستان یا مقامات کی صورت میں ہمیشہ موجود رہا ہے۔ جس کے شواہد ہمیں عربوں کے جنگی قصے کہانیوں کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی اُممِ سابقہ کے حالات وواقعات کو قصص ہی کی شکل میں بیان کیا گیا ہے۔ البتہ یہ اور بات ہے کہ افسانہ جدید شکل میں بشمول اپنے تمام فنون وعناصر لازمہ کے ساتھ موجود نہیں تھا۔ بہر حال دورِ جدید میں جہاں نت نئے انسانی مسائل، معاشی سر گرمیوں، اور مصروفیات نے انسان کو ادبی وعلمی ذوق و مطالعہ سے دور کر دیا ہے وہیں اس نے اصنافِ ادب کو بھی جدید رنگ وڈھنگ میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ افسانہ قدیم قصے کی جدید شکل ہے۔ عربی ادب میں افسانوی ادب کی داغ بیل مغربی ادبیات کے توسط سے ڈالی گئی۔ ۱۷۹۸ء میں نپولین بونا پارٹ کا مصر پر حملہ جدید عربی ادب کی اساس تصور کیا جاتا ہے۔ فرانسیسیوں کے حملے نے عربوں کے سیاسی وثقافتی حالات کے ساتھ ساتھ فکری، ادبی وعلمی سر گرمیوں پر بھی گہرا اثر ڈالا۔ انہیں نئے سائنسی علوم و ٹیکنالوجی سے روشناس کروایا اور ذہنی آبیاری وترویج کے لیے جدید ادبی رجحانات کا اضافہ کیا۔ مغربی ادب وثقافت سے آگہی کے لیے عربوں کے مختلف گروہ کو بیرونی تعلیمی دوروں پر روانہ کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ مختصراًیہ کہ انیسویں صدی جدید عربی ادب کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس دور میں عرب علماء وادباء نے ترجمہ نگاری کو فروغ دیا۔ رفاعۃ الطھطاوی، حافظ ابراہیم، منفلوطی، محمود لاشین، حسین ہیکل، طٰہ

* ڈاکٹر عمیر رئیس الدین، لیکچرار جامعہ سندھ مدرسۃ الاسلام، کراچی۔

** سنبل انصار، اسسٹنٹ پروفیسر، جامعہ سندھ مدرسۃ الاسلام، کراچی۔

حسین، محمود تیمور، عقاد، توفیق الحکیم و دیگر نے فرانسیسی ادب سے قصے کہانیوں کو عربی میں ترجمہ کرنا شروع کیا۔ لا محالہ یہ ابتدائی کوششیں تھیں جو اغلاط و نقائص کے باوجود قابل ستائش رہیں۔ یقیناً انہی کاوشوں کا نتیجہ تھا کہ بعد میں آنے والے ادیبوں نے اس فن کے اُصول و قواعد کو پڑھا سمجھا اور عربی ادبیات میں اس کی بھرپور غمازی کی۔ جس کے نتیجے میں آج ہمارے سامنے نثری ادب بشمول اپنی جملہ اصناف مثلاً: قصہ، کہانی، ناول، افسانہ، ڈرامہ، مکالمہ، مقالہ اور صحافت کی صورت میں زنداں و جاوداں موجود ہے۔

تعارف

محمود تیمور افسانوی ادب کا بانی و موجد تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ ۱۸۹۴ء میں قاہرہ کے قدیم قصبے "درب سعادۃ" کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کا گھر علمی و ادبی مجالس کا مرکز تھا۔ آپ کے والد احمد تیمور پاشا مصر کی اُن نمایاں ادبی شخصیات میں سے تھے جو قدیم علمی و ادبی سرمائے کو محفوظ رکھنے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہیں۔ آپ **الخزانۃالتیموریۃ** اور **القاموس اللغۃالعامیۃ** کے مؤلف تھے۔ محمود تیمور کی پھوپھی عائشہ تیمور بھی نمایاں شاعرہ تھیں جنھوں نے عربی و ترکی دونوں زبانوں میں دیوان لکھے۔[۱] بھائی محمد تیمور بھی معروف ادیب وقلمکار تھے اُنہوں نے فرانس میں رہ کر ڈرامہ نگاری میں کمال حاصل کیا۔ محمود تیمور نے ابتدائی وثانوی تعلیم والد کی زیر نگرانی حاصل کی۔ جنہوں نے بڑی جانفشانی کے ساتھ ان کا علم وادب سے گہرا شغف پیدا کیا۔ معلقہ امرئی القیس زبانی یاد کروایا اور الف لیلہ ولیلہ جیسی مشہور کہانیوں سے ادبی رشتہ اُستوار کیا۔ ثانوی تعلیم مکمل کرنے کے بعد محمود تیمور نے زرعی کالج میں داخلہ لیا۔ تاہم ۱۹۱۴ء میں شدید ٹائیفائیڈ کی وجہ سے تعلیم کا سلسلہ رک گیا۔ اور یہی مرض دراصل ان کی ادبی زندگی کا نکتہ آغاز ثابت ہوا۔[۲]

ادبی زندگی کا آغاز

محمود تیمور کو ادبی زندگی کا سلیقہ سکھانے میں ان کے بھائی محمد تیمور کا اہم کردار رہا ہے۔ جنہوں نے محمود کو بیماری کے باوجود ہمت وحوصلہ دیا۔ مایوسی وناامیدی سے نکال کر زندگی کی بہاریں عطا کیں۔ انہیں ادبی تخلیقات سے روشناس کروایا۔ قصہ وڈرامہ نگاری میں اپنے وسیع تجربے سے مستفید کیا۔ مغرب میں لکھے جانے والے افسانوں اور ڈراموں کے اندازِ وبیاں پر روشنی ڈالی۔ اس کے اُصول و قواعد وعناصر لازمہ کی وضاحت کی۔ مویلحی کی "حدیث عیسیٰ بن ہشام" اور حسین ہیکل کے ناول "زینب" کا مطالعہ کرنے کا مشورہ دیا۔ یوں بھائی محمد کی کوششوں سے محمود تیمور بھی فرانسیسی ادب کا مطالعہ کرنے کے قابل ہوگئے۔ بعد ازاں انہوں نے منفلوطی اور جبران خلیل جبران کے افسانوں کا مطالعہ شروع کردیا جس نے ان کے افکار میں پختگی ودوام بخشا اور ان کے سامنے ادبی زندگی کے نقوش واضح کئے۔ محمود تیمور نے ملکی ادبیات کے ساتھ ساتھ غیر ملکی ادبیات کا بھی مطالعہ شروع کیا فرانس کے حقیقت پسندانہ افسانہ نگار "موپساں"[۳] نے انہیں بہت متاثر کیا۔ فرانس کے بعد انہوں نے روسی ادب کا رخ کیا۔ اور چیخوف[۴] اور ترگنیف[۵]

جیسے چوٹی کے ادباء کا مطالعہ کیا۔ اسی دوران انہوں نے افسانوں کا ایک مجموعہ "ماتراہ العیون" شائع کیا جس میں انہوں نے مصری شخصیات اور ماحول کی عکاسی حقیقت پسندانہ اسلوب میں آسان و دلچسپ انداز میں کی ہے۔ ۲۴ فروری ۱۹۲۱ء میں ان کے بھائی محمد تیمور عین جوانی میں انتقال کر گئے۔ اس واقعہ نے وقتی طور پر محمود کے حوصلے پست کر دیئے اور وہ مایوس ہو گئے ۱۹۲۲ء میں انہوں نے اپنے بھائی کی یاد میں ایک کتاب "ومیض الروح" لکھی۔ جس کے مقدمہ میں انہوں نے اپنے بھائی کی سیرت اور بعض ادبی کام پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۹۲۵ء میں محمد تیمور نے اپنی مختلف کہانیوں کو مجموعوں کی شکل دے کر "شیخ جمعہ وقصص اخری" اور "عم مولی وقصص اخری" کے نام سے شائع کیا۔ اسی سال محمود تیمور نے یورپ کا سفر کیا اور تقریبا دو سال کا عرصہ وہاں گزارا۔ یورپ میں قیام کے دوران اُنہوں نے براہِ راست جدید فرانسیسی ادب کا مشاہدہ کیا۔ عالمی ادب کے مطالعہ اور زندگی کے تجربات نے ان کے نظریات، افکار اور فن کو وُسعت بخشی۔ ۱۹۴۳ء میں ان کے بیٹے کا ۲۰ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ اس حادثے نے ان کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ دنیا سے کنارہ کشی، مطالعہ، کتب بینی اور لکھنے پڑھنے سے بیزار ہو گئے۔ شدتِ غم کو بُھلانے کے لیے بیگم کے ہمراہ امریکہ چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کرلی۔ کچھ عرصہ کے بعد محمود تیمور نے اپنے بیٹے کے نام خطوط لکھنے کا سلسلہ شروع کیا جس میں انہوں نے اپنے بیٹے کو زندہ تصور کرتے ہوئے اپنے دلی جذبات واحساسات کو پیش کیا ہے۔ یہ خطوط کتابی صورت میں ابو الھول یطیر کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔[۶] ۲۵/اگست ۱۹۷۳ء میں ۸۰ برس کی عمر میں محمود تیمور اس دنیا فانی سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے۔ تاریخ اس عظیم افسانہ نگار کو عربی افسانوی ادب کے بانی و پیشوا کے طور پر ہمیشہ یاد رکھے گی۔

اعزازات

قومی وبین الاقوامی سطح پر محمود تیمور کے افسانوں کو بڑی پذیرائی حاصل ہوئی۔ ان کے بیشتر افسانوی مجموعے انگریزی، فرانسیسی، جرمن، روسی، چینی، ہسپانوی اور اطالوی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔[۷] البتہ ہماری اُردو زبان ابھی تک اس گرانقدر ادبی سرمایہ سے محروم ہے۔ محمود کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انہیں مختلف انعامات واعزازات سے نوازا گیا۔ ۱۹۴۷ء میں مجمع قاہرہ برائے عربی زبان نے فصیح عربی میں لکھے گئے ان کے افسانوں کے اعتراف میں ان کو ایوارڈ سے نوازا۔ ۱۹۴۹ء میں محمود تیمور اسی مجمع عربی کے تاحیات رکن مقرر ہو گئے اور طٰہٰ حسین جیسی قد آور شخصیت نے ان کا استقبال کیا۔ ۱۹۵۰ء میں ان کو دو نمایاں افسانوی مجموعوں إحسان لله، و کل عام وأنتم بخیر کے اعتراف میں ملکی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ ۱۹۵۱ء میں انہیں ملک فؤاد اول ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اسی سال پیرس میں ہونے والی مصر و فرانس کی مشترکہ ادبی سوسائٹی نے ان کے فرانسیسی ترجمہ عزرائیل القریة وقصص أخری کے اعتراف میں واصف غالی ایوارڈ سے نوازا۔[۸] درحقیقت افسانہ نگاری میں محمود تیمور کو بڑا مقام حاصل تھا۔ بہترین قوتِ خیال اور فنکارانہ صلاحیتوں کی بدولت انہوں نے عربی افسانوی ادب کو نئے رجحانات سے متعارف کروایا ہے۔

افسانوں کے موضوعات

محمود تیمور کے افسانوں کا بنیادی موضوع انسان ہے۔ انسانی مسائل کو حقیقت پسندانہ اسلوب میں پیش کرنا ان کا خاصہ ہے۔ ان کے افسانے سماجی، معاشرتی اور نفسیاتی موضوعات کے گرد گھومتے ہیں۔ کچھ افسانوں میں تجزیاتی رجحان بھی پایا جاتا ہے۔ افسانوں کے کردار کی تصویر کشی نہایت جامع اور سادہ اسلوب میں ہوتی ہے۔ ان کے افسانوں کے موضوعات علاقائی سطح تک محدود نہیں ہیں بلکہ ان کے ہاں فطرت کے حسین و جمیل مناظر، موسیقی ونغمہ کی دلفریبی اورانسانی زندگی کی رنگینیاں بقدر اتم پائی جاتی ہیں۔

محمود تیمور نے دیگر افسانہ نگاروں کی طرح کسی خاص مغربی انداز کی تقلید نہیں کی ہے۔ کبھی وہ حقیقت پسندادیب کی صورت میں جلوہ گر ہوتے ہیں تو کبھی ان پر تخیلاتی رنگ غالب آجاتا ہے۔ ان کے افسانوں میں طٰہٰ حسین اور توفیق الحکیم کی طرح سماجی زندگی کی حقیقی تصویر کشی اور عقّاد اور مازنی کی طرح انسانی نفسیات کا گہرا تجزیہ بھی موجود ہے۔ فکری پختگی واظہارِ رائے کی آزادی اور وسیع تر قوتِ تخیل نے ان کی راہ میں حائل تمام رکاوٹیں ختم کردیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُنہوں نے نثری ادب میں بھرپور طبع آزمائی کی ہے۔ کہانی، ناول، ترجمہ اور ڈرامہ نگاری میں بے مثال تخلیقات پیش کی ہیں۔[9]

ادبی تخلیقات کا جائزہ

محمود تیمور کے افسانہ "في القطار" کو پہلا باقاعدہ افسانہ قرار دیا جاتا ہے جو ۱۹۱۷ء میں لکھا گیا۔ یہ افسانہ مصر کے اُس وقت کے سماجی حالات کی مستند دستاویز ہے۔ اس کے علاوہ نمائندہ افسانوی مجموعوں میں **مکتوب علی الجبین، کل عام وأنتم بخیر، إحسان لله، شفاة غلیظة، شباب وغانیات** ہیں۔

ثائرون، نداء المجهول، کلیو باترا في خان الخلیلي، سلوی في مهب الریح ان کے بہترین ناول ہیں۔

ثائرون: انقلابی ناول ہے جس میں اُنہوں نے کالج میں پڑھنے والے نوجوان طالب علم کے انقلابی جذبات وخیالات کا تجزیہ کیا ہے۔ یہ ایک خیالی کہانی ہے جس میں محبت کے پاکیزہ احساسات کو خوش اسلوبی سے پیش کیا گیا ہے۔ فنی لحاظ سے یہ ایک مکمل ناول ہے جس میں مشرقی جذبے کی عکاسی کی گئی ہے۔

کلیو باترا في خان الخلیلي: طنز ومزاح سے بھرپور یہ بھی ایک مکمل خیالی ناول ہے۔ محمود تیمور نے اس ناول میں قاہرہ میں منعقدہ ایک امن کانفرنس کا نقشہ کھینچا ہے جس کے ذریعے اس نے انسانی حماقتوں پر خوب تنقید کی ہے۔ مگر اس کے باجود پوری کہانی خوش مزاجی اور ہنسی مذاق کا خوبصورت امتزاج ہے۔

سلوی في مهب الریح: یہ ایک سماجی ناول ہے جس میں محمود تیمور نے طبقاتی کشمکش کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا ہے اس کی ہیروئن سلوی ایک غریب لڑکی ہے جسے سماجی وموروثی اسباب ارتکابِ معصیت پر مجبور کر دیتے ہیں۔

محمود تیمور نے ڈرامہ نگاری کے میدان میں بھی اپنے نمایاں جوہر دکھائے ہیں۔**حفلة شاي، مسرحیة**

المنقذة، الیوم خمر، ابن جلا، حواء الخالدہ، صقر قریش، المخبا رقم ۱۳، اشطر من ابلیس ان کے چند مشہور ڈرامے ہیں۔ ان ڈراموں میں محمود تیمور نے خاص طور پر انسانی نفسیات، سماجی مسائل، طبقاتی کشمکش اور معاشرے میں پائی جانے والی برائیوں کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ اس کے علاوہ عربی و قومی تاریخ بھی ان کے ڈراموں کا بنیادی موضوع رہی ہے جس کا مشاہدہ "مسرحیة المنقذة": ابن جلا، حواء الخالدہ، الیوم خمر اور صقر قریش میں کیا جاسکتا ہے۔[۱۰]

ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے محمود تیمور کے ایک افسانے إحسان لله [۱۱] کا مکمل اُردو ترجمہ **ضمیمہ الف** میں پیش کر رہے ہیں۔

احسان اللہ پر ایک نظر

یہ ایک حقیقت پسندانہ کہانی ہے جس میں محمود تیمور نے سادہ اور آسان اسلوب میں بغیر کسی لفظی بناوٹ و تکلف کے سماجی مسائل کی عکاسی کی ہے۔ کہانی کا مرکزی کردار ابو المعاطی نامی ایک دیہاتی نوجوان ہے جس کو اس کے والد خاندانی اراضی تنازعہ کیس کی اہم دستاویزات قاہرہ میں وکیل کو دینے کے لیے بھیجتے ہیں۔ وہ طویل مشقت کے بعد پیادہ قاہرہ پہنچتا ہے۔ اور تھوڑی دیر آرام کرنے کی غرض سے سیدہ طاہرہ کے مزار کے احاطہ میں بیٹھ جاتا ہے۔ کچھ دیر کے بعد ایک شخص وہاں سے گزرتا ہے اور اس کی جھولی میں سکہ ڈال دیتا ہے۔ وہ سکہ اُٹھاتا ہے اور اُسے واپس کرنا چاہتا ہے۔ اور اُسے بتانا چاہتا ہے کہ میں بھکاری نہیں ہوں۔ تاہم وہ ایسا نہیں کر پاتا اور وہ شخص چلا جاتا ہے۔ ابو المعاطی دیر تک بیٹھنے کا ارادہ کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کی جیب پیسوں سے بھر جاتی ہے۔ بھوک کی شدت اور ریستوران سے اُٹھنے والی خوشبوئیں اس پر اثر انداز ہوتی ہیں اور وہ دن بھر کی جمع کردہ بھیک رات کے کھانے میں خرچ کر دیتا ہے اور جی بھر کے من پسند کھانوں سے اپنا پیٹ بھرتا ہے۔ دوسرے دن وکیل کے دفتر جانے کا ارادہ کرتا ہے لیکن قدم اس کا ساتھ نہیں دیتے۔ پیسوں کی لالچ اور مختلف انواع واقسام کے کھانوں کی لذت اس کو دوبارہ مزار کے احاطہ میں کھینچ لاتی ہے۔ جہاں یہ پورا دن بیٹھا رہتا ہے اور اپنی خستہ حالت کی بدولت خوب بھیک جمع کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اگلے دن جب یہ اپنی مقررہ جگہ پر بیٹھا ہوا ہوتا ہے تو ایک عمر رسیدہ بھکاری اس کو جگہ سے اُٹھنے کا کہتا ہے جس پر دونوں کے درمیان لڑائی ہو جاتی ہے۔ ابو المعاطی اُس کو پچھاڑ کے اُس کی جگہ پر قبضہ کر لیتا ہے۔

محمود تیمور نے اس کہانی میں ابو المعاطی کے کردار کے ذریعے معاشرے کے سلگتے ہوئے مسائل کی نشاندہی کی ہے۔ ایک پاکیزہ محنت کش، فرمانبردار نوجوان جو والدین اور سوسائٹی کے ناروا سلوک کے باوجود محنت مزدوری کرکے خاموش زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ تاہم شہری زندگی سے آگاہی کے بعد وہ اپنے والد سے کیا ہوا وعدہ بھول جاتا ہے اور محض چند پیسوں کی لالچ میں ایک باعزت زندگی چھوڑ کر ذلت آمیز انہ زندگی اختیار کر لیتا ہے۔ محمود تیمور نے ابو المعاطی کے کردار میں گداگروں کی شخصیات اور حرکات وسکنات کا بھی مکمل تجزیہ پیش کیا ہے۔ اور اس بات کی وضاحت کی ہے گداگری ایک پیشہ وارانہ فعل ہے جس سے منسلک لوگ مختلف روپ دھار کے عوام الناس کو بے وقوف بنا کر پیسے اینٹھتے ہیں۔

ضمیمہ الف: احسان للہ (اللہ کے لیے احسان)

ترجمہ:

ابو المعاطی حسبِ عادت مسجد میں نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد اپنا شہر چھوڑتا ہے۔ اس کا شہر (کوم الزہر) شمالی قاہرہ میں دریا کے کنارے واقع ہے۔ شہر سے نکل کر جب وہ عام شاہراہ پر پہنچا جہاں چوپائے گھوم رہے تھے۔ عام گاڑیاں تیزی سے رواں دواں تھیں۔ حتی کہ سورج کی پہلی کرنیں کائنات کو صبح کا سلام پیش کر رہی تھیں۔ نم ہوا کے جھونکے فجر کے وقت گرنے والی اوس سے مرطوب تھے۔ زندگی کی رونقیں بحال ہو رہی تھیں۔ روشنی کی ابتدائی کرنیں نیل کے کناروں پر پڑ رہی تھیں، چڑیاں چہچہاتے ہوئے اپنے گھونسلوں سے رزق کی تلاش میں مستعد ہو کر نکل رہی تھیں۔

لوگوں کے دلوں میں فرحت و سرور بخشنے والے ان خوبصورت و دلآویز مناظر کے باوجود ابو المعاطی کے چہرے پر اس کے کوئی آثار نہیں تھے۔ پریشانی اور اُداسی نمایاں تھی۔ بس وہ چڑیا کے چہچہانے، چوپایوں کے چلنے، ریڑھیوں کے ہانکنے سے بے پرواہ چلا جا رہا تھا۔ اُس کے ذہن میں والد کا سونپا ہوا صرف ایک ہی کام سوار تھا کہ قاہرہ جا کر خاندانی اراضی تنازع کیس کی اہم دستاویزات وکیل کے حوالے کرنی ہیں۔ دارالحکومت قاہرہ پہنچنے کے لیے سواری کے معاملے میں اس کے والد نے انتہائی کنجوسی کا مظاہرہ کیا۔ لہٰذا اس کے پاس پیدل سفر کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ کام ختم کرنے کے بعد اُسے پیدل واپس بھی آنا تھا۔ اس پورے عمل سے اس کو ایک بات سمجھ آئی کہ اگر اس کی عام زندگی اچھی اور خوشحال ہوتی اور اس کے مختلف ذرائع آمدن ہوتے تو اسے سعادت و سرور سے ہمکنار کرتے۔

ابو المعاطی مسلسل چل رہا تھا اور ایک ہی چیز کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس کے سامنے بچپن کی خوشحال زندگی کے مناظر تازہ ہو رہے تھے۔ جب اُس نے زندگی کے تیرہویں سال میں قدم رکھا۔ تو زندگی کا یہ آغاز اس کے لیے بدشگون ثابت ہوا۔ اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا جس سے وہ بہت پیار کرتا تھا جس نے اس کو جنا تھا۔ انتقال کے دوسرے ہی دن گھر میں آگ بھڑک اُٹھی جس نے تقریباً سب کچھ اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جس سال اس کے بچپن کا پہلا مرحلہ مکمل ہوا اُسی سال سے اس کے خاندان کو قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا جو مشکلات اور تنگدستی کا سبب بنی۔ اس کے والد اور گھر والے ہی نہیں بلکہ تمام گاؤں کے لوگ اس نومولود کو بدشگون سمجھنے لگے کہ اس کے پیدا ہونے کے بعد سے ہی پریشانی و تنگدستی کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ یہ ابو المعاطی اپنے والد کی بیوی (سوتیلی ماں) کے زیرِ تسلط پلا بڑھا۔ اس کا باپ اسے اپنی نفرت کا نشانہ بناتا رہا۔ اس سے بیزار ہو کر اس کے ساتھ تشدد آمیز رویہ اختیار کر لیا۔

وہ خوش شکل، خوش طبع اور خوش بیان نہیں تھا۔ جس سے دلوں کو تازگی ملتی ہو، جس کے الفاظ کانوں میں رس گھولتے ہوں۔ بلکہ وہ خاموش، خود سے جڑا ہوا، چھوٹے قد کا بدصورت لڑکا تھا۔ وہ اپنے والد اور سوتیلی ماں کے لیے باعثِ ذلت تھا۔ جنہوں نے اس کو گھر کے کام کاج کی ذمہ داری دی ہوئی تھی۔ وہ بغیر چوں چراں کیے اپنے کام انجام دیتا۔ جب گاؤں میں نکلتا تو سب سے منفرد نظر آتا کوئی مالک یا خادم اس جیسا نہیں تھا۔ جب کوئی شریر لڑکا اس سے ہاتھ ملاتا تو اس کا

سخت مذاق اُڑانے یا گالی دینے کی کوشش کرتا، اس سے دور رہتا، بے نیازی اور بے حسی کا مظاہرہ کرتا، ابوالمعاطی اپنے دل میں نفرت اور غرور و تکبر کے احساسات کو محسوس کرتا رہا۔

جب جوانی کی عمر میں پہنچا تو وہ ان سب چیزوں کا عادی ہو چکا تھا۔ تحمل مزاج اور صابر نوجوان بنا جس نے اپنے عزیز و اقارب کی اچھی کوششوں کو احسان اور بدلے کی نذر نہیں کیا۔ جو کچھ اُس سے چاہا گیا اُس پر سرِ تسلیم خم کیا۔ اس کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ خاص طور پر وہ اپنے والد کی طرف بطور چیلنج کیسے نظریں اُٹھا سکتا تھا۔ جنہوں نے بڑی عمر کے باوجود اس کو سخت عزم اور ڈراؤنے الفاظ کے ساتھ دیکھا۔ کیا وہ یہ بھول جاتا کہ جب اُس نے ایک طویل عرصے تک کچھ پیسے جمع کیے تا کہ وہ اپنی خواہش کے مطابق بازار سے کچھ خرید سکے۔ تو کسی نے ان پیسوں کی خبر اس کے والد تک پہنچا دی۔ اُنہوں نے اسے بلا لیا، اور جو کچھ جمع پونجی تھی سب نکالنے کا حکم دیا۔ ابوالمعاطی نے اپنے والد کی اس بات سے روگردانی کا ارادہ کیا ہی تھا کہ والد صاحب نے کنپٹی پر زوردار ہاتھ رسید کیا جس نے اس کی ابتدائی بغاوت کو ہی سرے سے کچل دیا۔

اس نے بغیر کسی مزاحمت کے فوراً اپنی آرزوؤں اور مال سے لدا ہاتھ والد صاحب کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے اپنے والد کو سر جھکائے ہوئے چھوڑا۔ اپنے پیروں کو گھسیٹنے لگا۔ وہ اپنی آنکھوں سے آنسو بہنے پر حیران تھا۔ گھبراہٹ میں وہ مسجد میں داخل ہو گیا اور ایک ستون کے ساتھ پناہ لی۔ اپنا چہرہ گھٹنوں تک جھکا لیا۔ آنسوؤں کا سمندر اُمڈ آیا۔ یہاں تک کہ ایک زوردار کھانسی نے اُسے چونکا دیا۔ اس کی نگاہیں مسجد کی طرف آنے والے کو ٹٹولنے لگیں۔ اس نے دیکھا کہ امام صاحب محراب کے راستے سے ڈگمگاتے ہوئے قدموں کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں۔ اُنہوں نے اسے اُٹھایا اور اس کے دائیں ہاتھ کو چوما۔ وہ ہمیشہ تمام لوگوں سے اسی طرح محبت واُلفت سے ملتے تھے۔ امام صاحب نے پوچھا کیا ماجرا ہے؟ اُس نے والد کے ساتھ پیش آنے والا پورا واقعہ بیان کر دیا۔ امام صاحب نے اس کی پیٹھ کو تھپکاتے ہوئے اپنے دل کی بات کہی:

"تمہارے والد ہیں! تمہارے والد ہیں! تم اور تمہارا مال تمہارے والد ہی کا ہے۔ فرمانبردار اور صابر بنو! اللہ بہترین صلہ دے گا"۔ پھر اپنی جیب کو ٹٹولا اور اپنا ہاتھ ابوالمعاطی کی طرف بڑھایا۔ اور کہنے لگے: "اے میرے پیارے بچے جو کچھ تم نے کھویا ہے اس کے بدلے میں یہ کچھ پیسے رکھ لو۔ لیکن یہ قرض ہے۔"

اُس نے بڑے ادب واحترام کے ساتھ امام صاحب کا ہاتھ روکا۔ اچھے برتاؤ پر اُن کا شکریہ ادا کیا اور آہستگی سے مسجد سے نکل کر اپنی راہ لی۔ اس کے دل میں یہ ساری یادیں تازہ ہو رہی تھیں سورج کی روشنی اس کو جُھلسا رہی تھی اس کی پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگا۔ چلتے چلتے وہ ایک گاؤں میں پہنچا جہاں ہفتہ بازار لگا ہوا تھا جس میں مختلف انواع واقسام کی چیزیں نمائش کے لیے موجود تھیں۔ سب چیزوں کو چھوڑ کر اس کی نظریں فوراً کھانے کی جگہ پر پڑیں جہاں مختلف اقسام کے لذیذ اور ذائقہ دار چاول اور باربی کیو کی ٹرے سجی ہوئی تھیں۔ جس کی خوشبوئیں دور سے محسوس ہو رہی تھیں۔ اس منظر نے بچپن کی یاد دلا دی۔ جب وہ ایک ولیمے میں شریک تھا جو گاؤں کے سربراہ کے پوتے کی شادی کی تقریب تھی۔ اس طرح کے مختلف کھانے اُس تقریب کے بعد سے اب تک اس نے نہیں چکھے تھے۔

اس کے قدم بازار کی جانب آہستہ آہستہ بڑھنے لگے۔ نگاہیں ان مناظر سے محظوظ ہو رہی تھیں دل للچا رہا تھا۔ ان ریستوران سے نکلنے والی خوشبوئیں اس کے ذوق کو مزید بڑھا رہی تھیں۔ پھر وہ اس طرف سے دور ہٹنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اسے بھوک کا احساس ہوا تو اس نے اپنی جیب کو ٹٹولا تا کہ سوتیلی ماں کا تیار کردہ لفافہ نکال سکے جو سوکھی روٹی کے ٹکڑوں اور پنیر پر مشتمل تھا۔ اس نے ابھی ان ٹکڑوں کو چبا کر اپنی بھوک مٹانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اسے یاد آیا یہ تو پورے طویل سفر کا زادِ راہ ہے۔ اس کو اپنے کام کے اختتام تک اس کو محفوظ کرنے کی بہترین تدبیر کرنی چاہیے۔

راستے میں اس کی نظر ایک ولی اللہ کے خوبصورت مزار پر پڑی تو وہ اس کی طرف بڑھنے لگا اور اتنا قریب ہو گیا کہ مزار کی جالی کو پکڑ لیا۔ فاتحہ خوانی کی۔ اور عاجزی وانکساری سے گڑگڑانا شروع کر دیا۔ اور اپنے چہرے پر بار بار ہاتھ پھیرنے لگا۔ مزار کے احاطہ میں ایک نابینا فقیر بعض حکیمانہ اذکار پڑھ رہا تھا۔ ایک بھاری بھرکم اور تھکاماندہ شخص جس کی جسامت ہی اُس کی خوشحالی کی عکاس تھی۔ اُس نے اپنی جیب سے ایک بُنا ہوا تھیلا نکالا اور اُس میں سے کچھ پیسے نکال کر قاری کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ بغیر دیکھے کہ اس کے تھیلے سے دوسرا سکہ گر گیا ہے۔ ابوالمعاطی نے سکہ زمین پر دیکھا تو فوراً اُس کی طرف لپکا۔ اپنی دونوں انگلیوں کے درمیان سکہ کو اُلٹنا پلٹنا شروع کر دیا۔ جبکہ قاری پھر زور سے ذکر واذکار پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ ابوالمعاطی نے کچھ دیر مزار کی طرف دیکھا۔ پھر اُس محسن شخصیت کی طرف لپکا۔ اُس کو پکارا اور گری ہوئی رقم اُس کے حوالے کر دی۔

ابوالمعاطی نے بازار سے نکل کر دوبارہ اپنا سفر شروع کر دیا۔ سورج کی تیز تپش مسلسل اس پر پڑ رہی تھی۔ اس کے دل میں احساسِ غم پروان چڑھ رہا تھا۔ کندھے تھکاوٹ سے چُور تھے۔ اس کو بار بار اُنہی پیسوں کا خیال آرہا تھا جو اس نے مالک کے حوالے کر دیئے تھے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے چاول اور باربی کیو کی ٹرے بار بار نمودار ہو رہی تھیں۔ اور اس کی پسلیوں کے درمیان افسوس، حیرت اور پریشانی کے احساسات اُٹھ رہے تھے۔ پُل کے ایک کنارے پر وہ مڑا اور جیب سے اپنا زادِ راہ نکالا تا کہ وہ اس کو کھا کر اپنی بھوک مٹا سکے۔ جیسے ہی وہ کھانے کے لیے بیٹھا اس نے اپنے نزدیک کتے کے بچے کی آواز سنی اس نے نظریں دوڑائیں تو دیکھا کہ کتے کا ایک بچہ خوف اور محتاط انداز میں قریب سے اسے تاک رہا ہے۔ پُر امید سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھ رہا ہے۔ جبڑوں کے درمیان اپنی زبان چبا رہا ہے۔ ابو المعاطی نے اُسے ذلت آمیز نظروں سے گھورا۔ اور ایک پتھر اُٹھا کر مارنے ہی والا تھا کہ کتا چیختا ہوا بھاگ گیا۔ ابو المعاطی اپنے کھانے کی طرف آیا اور اُلٹا سیدھا بڑبڑانے لگا۔

پھر اُٹھا اور دوبارہ رختِ سفر باندھا، سرسبز راستے شروع ہوگئے، وہ ادھر اُدھر چیزوں کو پوچھتے ہوئے چلتا گیا۔ قاہرہ جانے والا راستہ کہاں ہے؟ پریشانی اور خوف کے عالم میں وہ شہر میں داخل ہوا۔ زندگی کی تازگی اور رونقیں اس کو اپنی آغوش میں لے رہی تھیں۔ اس نے محلہ سیدہ زینب میں وکیل کا ہیڈ آفس ڈھونڈنا شروع کیا۔ تھکاوٹ میں چُور بڑی کوشش کے بعد وہ مسجد کے قریب پہنچا۔ وہ اپنے جسم کو تھوڑی دیر آرام دینا چاہتا تھا۔ مسجد میں ایک کنارے

پر اس نے دو رکعت نماز ادا کی۔ نماز کی ادائیگی کے بعد وہ مزار کی چادر پکڑ کر مناجات میں مشغول ہو گیا۔ پھر دروازے کی طرف آیا جہاں مختلف لوگ بیٹھے ہوئے تھے اس نے بھی بیٹھنے کے لیے ایک سایہ دار گیلی جگہ کا انتخاب کیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ تھوڑی دیر آرام کے بعد وکیل کے پاس جائے گا، اس نے دیوار سے ٹیک لگائی اور سو گیا۔ جب نیند سے بیدار ہوا تو اس نے مسجد میں حرکت محسوس کی۔ قدم صبح کی ہوا کو بھر رہے تھے۔ وہ اپنی سوچوں میں غرق تھا۔ کہ اسے محسوس ہوا کہ کوئی شخص اس کے نزدیک آرہا ہے اور اس کی جھولی میں کوئی چیز ڈال رہا ہے۔ اس نے دیکھا، وہ سکہ تھا اُس نے دینے والے شخص کی طرف دیکھا اور ارادہ کیا کہ وہ اس کو واپس لوٹا دے اور اُسے بتائے کہ وہ کوئی بھکاری نہیں لیکن وہ ایسا نہ کر سکا یہاں تک کہ وہ شخص بھیڑ میں گم ہو گیا۔ جبکہ ابو المعاطی اُس کو نہ پانے کی دلیل ہی ڈھونڈ تا رہا۔

سجے ہوئے چاولوں اور ذائقہ دار باربی کیو کی ٹرے کا خیال اسے پھر ستانے لگا۔ کیا یہ وہی رزق نہیں جس کی طرف اللہ تعالیٰ اسے کھینچ کر لایا ہے؟ اور کیا یہ سیدہ زینب اور اس کے مکان کی برکات نہیں؟ اس نے دائیں بائیں دیکھا تو اسے کوئی نظر نہیں آیا اس نے فوراً پیسوں کو اپنی جیب میں محفوظ کر لیا۔ اُس نے کھڑا ہونا چاہا۔ لیکن اس کے دل میں کسی نے سرگوشی کی کہ تھوڑا اور آرام کر لو۔ ابھی بہت وقت ہے اور وکیل کا گھر بھی زیادہ دور نہیں۔

وہ مختلف خیالوں میں کھویا ہوا تھا کہ اس نے مسجد سے ایک نفیس کپڑوں میں ملبوس روشن چہرہ شخص کو نکلتے ہوئے دیکھا جو بہترین اوصاف کا حامل لگ رہا تھا۔ اپنی عصا کے سہارے چل رہا تھا اُس کی جانب ایک سائل لپکا اور خوشی سے دایاں ہاتھ اُس کی طرف بڑھایا۔ اُس نے کچھ پیسے دے دیئے۔ اس کی زبان سے شکریہ و دعائیہ کلمات جاری ہو گئے۔ ابو المعاطی نے بھی فوراً اپنا ہاتھ بڑھایا اور ہتھیلی پھیلا دی اُس آدمی کی نگاہیں اس پر پڑیں تو اس نے کچھ پیسے نکالے اور اسے بھی دے دیئے۔ اس کا دل کپکپایا اور آنکھوں میں نیند بھر آئی۔ کچھ ہی دیر بعد جب اس اچھے انسان کا سایہ غائب ہو گیا تو ابو المعاطی نے ان پیسوں کو پہلے والوں کے ساتھ ملا کر رکھ لیا۔ اور پھر فوراً سوچنا شروع کر دیا: وہ کیا کھائے گا؟ کھانے کی خوشی میں مختلف خیالات ذہن میں وارد ہونے لگے۔

اس کا دل دیر تک بیٹھنے کو چاہ رہا تھا مگر ایک آواز لگانے والے نے آواز لگائی: جس کام کی تکمیل کے لئے آئے تھے کیا اُس کے لیے وکیل کے پاس جانے کا وقت نہیں آیا؟ لیکن اس کے ہاتھ پھیلے ہوئے اور آنکھیں درخواستانہ تھیں۔ اس نے اپنے قریب دو لوگوں کو باتیں کرتے ہوئے سنا جو کہہ رہے تھے: یہ فقیر واقعی درخورِ اعتناء ہے!۔

اس کے ہاتھ میں ایک اور سکہ گرا، ابو المعاطی کو مزار کے پاس بیٹھے ہوئے قاری سے خطرہ محسوس ہوا۔ جو ایک ذلت و رسوائی کی جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دل میں غیرت و عزت کے آثار نمایاں ہوئے۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس جگہ کو چھوڑ دے گا۔ لیکن جب ایک بوڑھی خاتون اپنے عصا کے سہارے اس کے قریب آئی اور خاموشی اور باحیا طریقے سے کچھ قیمتی سکے اس کی جھولی میں ڈال دیئے اور اس کے کان میں سرگوشی کی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس کی بیٹی کی صحت یابی کے لیے دعا کرے جو طویل عرصے سے بیمار ہے۔ وہ اپنی جگہ سے ہلا اور نہ ہی اُس نے بوڑھی عورت کے لیے اپنی آنکھیں

اٹھائیں۔اس نے کوشش کر کے اپنے چہرے کے تاثرات ایسے بنائے جیسے اللہ سے مناجات کر رہا ہو۔ وہ ہلکی آواز میں مضطرب کلمات پڑھنے لگا جس سے ایک حروف بھی نہیں بن سکتا تھا۔ بوڑھی عورت دوبارہ واپس آئی اور کہنے لگی:"اس مقام کے خادموں کی دعا اور آسمان کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔"

ابو المعاطی کی بیٹھک طویل ہوگئی اس کی جیب سکوں سے بھرنے لگی۔ تاریکی اپنی چادر اوڑھنے والی تھی۔ خاموشی ہر طرف چھاگئی۔لوگوں کا ہجوم تھم گیا۔وہ بھی اپنے متفرق کاموں کی اصلاح کے لیے اُٹھ گیا۔ اپنے پیسوں کو ٹٹولا اور بار بار گننے لگا۔ اس کے ذہن میں خیال آیا کہ یہ رقم گاؤں میں چند دن محنت و مشقت سے کھیتوں میں کام کرنے کے بعد ملنے والی رقم کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے کتنی آسانی کر دی کہ میں یہاں ایک پُرسکون جگہ پر بیٹھا ہوا ہوں۔

کیا یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی دلیل نہیں کہ اُس نے مجھ پر اپنی برکات نازل کر دیں؟ کیا یہ اللہ رب العزت کی رحمت نہیں جو مزید حمد و شکر کا تقاضا کرتی ہے؟ اُس نے اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اُٹھائیں اور ان نعمتوں کے مالک سے دعا کرتے ہوئے کہا کہ ہمیشہ مجھ پر اپنا احسان کرنا۔ پھر اپنے ہاتھ چہرے پر پھیر لیے۔ وہ دکانوں کو دیکھتے ہوئے کھانے کی تلاش میں چلتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ ایک ریستوران تک پہنچ گیا جس کا دروازہ شیشے کا تھا۔ جس کے اندر سے باربی کیو کے مناظر اور ذائقہ دار خوشبوئیں اس کے صبر کو آزما رہی تھیں۔ اس نے اپنا ہاتھ جیب میں دوبارہ ڈالا اور پیسوں کو ٹٹولنے لگا۔ اس کے سر میں خواہشات کے انبار جمع ہوگئے۔ کیوں نہ یہ تھیلی مال و دولت کا مرکز ہو۔ جس کے ذریعے میں نفیس لباس خریدوں جو مجھے خوبصورت بنادے۔ اور ایک ٹوپی جو میرے ماتھے پر چمک رہی ہو، کیا میں اپنے باقی زادِ راہ پر اکتفا نہ کروں جو لفافہ کی صورت میں تیار کیا گیا تھا۔ اور جو کچھ میں نے جمع کیا ہے اُسے محفوظ کر لوں۔ باربی کیو کی خوشبوئیں اس کی سانسوں میں رچ بس گئیں۔ وہ بالآخر ریستوران کی طرف چل پڑا۔ ذائقہ دار اور بہترین کھانوں سے اس نے اپنا پیٹ بھرا۔ اور مدہوشی کے عالم میں ڈکار لیتے باہر نکلا۔ اُس کے قدم زیادہ کھانے کی وجہ سے بوجھل ہو رہے تھے۔ اسے شدت سے نیند کا احساس ہونے لگا۔

وہ ایک برابر والی گلی میں مڑنے ہی والا تھا کہ اُسے خراب مکان کے پاس ایک ویران کونہ نظر آیا جہاں ایک بے گھر بچہ لیٹا ہوا تھا۔ اس نے اس کے قریب ہی ایک جگہ کا انتخاب کیا اور آرام کرنے کے لیے بازو اپنے سر کے نیچے رکھ لیے۔ وہ نیند کی آغوش میں جانے سے قبل اپنے پیسوں کو نکال کر گننا نہیں بھولا۔ اُس نے دیکھا کہ صرف تھوڑے ہی پیسے باقی رہ گئے ہیں۔ زیادہ تر پیسے تو رات کے مختلف انواع کے کھانوں سے پیٹ بھرنے میں صرف ہوگئے۔ پھر وہ باقی ماندہ پیسوں کے بارے میں سوچنے لگا۔ پھر اُس نے ان پیسوں کو باندھ کر جیب میں رکھ لیا۔۔ اس عزم کے ساتھ وہ خوابوں میں گھومنے لگا کہ کل وکیل کے ساتھ اپنا مشن مکمل کرلے گا اور اللہ کے اس دیئے ہوئے عطیات پر اکتفا کرتے ہوئے قاہرہ سے اپنے شہر روانہ ہو جائے گا۔

جب نویدِ صبح نے خوش آمدید کہا تو وہ اپنی جگہ سے اُٹھا سب سے پہلے اس کے دل میں پیسوں کا خیال آیا۔ پیسوں کے محفوظ ہونے پر اطمینان کا اظہار کیا۔ اور عزم کیا کہ آج وہ قناعت پسندی اختیار کرے گا۔ پس وہ اپنے زادِ

راہ کے لفافہ کی طرف متوجہ ہوا جو وہ اپنے شہر سے لایا تھا۔ اُس نے کاغذات کھولے اور اپنے سامنے ایک صفحہ پھیلا لیا۔ اور ایک لمحہ کے لیے خاموشی سے دیکھنے لگا۔ گلی میں پھیری والا ہاتھ میں سموسے اُٹھائے گزرا۔ وہ بلند آوازیں لگا رہا تھا: ذائقہ دار سموسے۔۔ ذائقہ دار سموسے۔ ابو المعاطی نے جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پیسے نکالے تاکہ پہلا لقمہ تناول کر سکے۔ سموسہ والے کو فوراً روکا اور ایک سموسہ خرید لیا۔ سموسہ کھاتے ہی اُس کو چسکا لگ گیا۔ پھیری والا آواز لگاتے ہوئے "ذائقہ دار سموسے۔ ذائقہ دار سموسے" ٹرے سر پر رکھنے ہی والا تھا کہ ابو المعاطی اُس کی طرف لپکا اور دوسرا پھر تیسرا اور چوتھا سموسہ خرید کر کھالیا۔ پھر اپنی جمع پونجی کی طرف دیکھا تو وہ کم ہو گئی تھی۔ اپنے مال کے ضائع ہونے پر افسوس کیا۔ اللہ کے احسان و شکر سے ناشتہ تو کر ہی لیا ہے اب اُس نے وکیل کے گھر جانے کا ارادہ کیا تاکہ وہ کچھ دیر میں اپنا مشن مکمل کر کے اپنے شہر کی طرف خوشی خوشی واپس لوٹ جائے۔

وہ ہوا کے رخ پر تیزی سے چلنے لگا ایک گلی پار کر کے جب وہ عام شارع پر آیا تو اُسے محسوس ہوا کہ اُس کا رخ مسجد کی طرف ہے اس نے محسوس کیا کہ اس کے قدم بوجھل ہو رہے ہیں: کیا اتنی صبح کسی کہ دروازے پر دستک دینا مناسب ہے؟ اور کیا صبح کا فریضہ ادا کیے بغیر وکیل کے گھر جانا صحیح ہے؟ مصلیٰ کی طرف جانا چاہیے۔ وہ مسجد کی طرف چل پڑا اور مسجد کے دروازے پر پہنچ کر رک گیا۔ اور جانے نہ جانے کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس نے اپنی توجہ دروازے کے کنارے پر مرکوز کر لی۔ ہر طرف سائلین اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ گویا کہ یہ ان کا موروثی ٹھکانہ ہو۔ جب اس نے اُس ستون کی طرف دیکھا جہاں وہ کل قاہرہ سے آنے کے بعد بیٹھا تھا تو وہ خالی نظر آیا۔ یہ سورج کی کرنیں بھی تھوڑی دیر پہلے ہی نمودار ہوئیں ہیں۔ نماز کا اب زیادہ وقت نہیں ہے۔ ابھی نماز پڑھنا یا بعد میں نماز پڑھنا برابر ہی ہے۔ اس سایہ دار ستون کے نیچے کچھ دیر صبح کی خوشگوار ہوا سے لطف اندوز ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ وہ اس ستون تک پہنچا اور سکون واطمینان سے بیٹھ گیا۔ کچھ دیر تک تو وہ بالکل ساکن بیٹھا رہا۔ اُس کی پلکیں جھپکنے لگیں اور غنودگی طاری ہونے لگی کہ اُس کے کانوں میں مبہم سرگوشیاں آنے لگیں۔ اس نے فوراً توجہ کی تو معلوم ہوا کہ سائلین اسی کے بارے میں سرگوشی کر رہے ہیں اور اس کی طرف اشارے کر رہے ہیں۔ اُس نے نظریں جھکالیں اور اُن پر ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ جانتا ہے۔

مسجد سے لوگ نکلنا شروع ہو گئے۔ ابو المعاطی کے ہاتھ پر سکے گرنے لگے۔ وہ اس کو اُٹھاتا رہا اور جلدی جلدی اپنی جیب میں محفوظ کرنے لگا۔ اس نے نوٹ کیا کہ صدقہ کرنے والوں میں سے جو بھی اس کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ ایک لمحہ کے لیے اس کو غور سے دیکھتا ہے اور اس کے چہرے سے تنگدستی اور بے چارگی کے جو آثار نمایاں ہو رہے اُس پر افسوس کرتا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ جس حالت میں وہ یہاں آیا ہے اس پر لوگوں کو ترس آتا ہے۔ اور اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ عنقریب یہ آثار مزید نمایاں ہو جائیں گے اور اس کے ساتھ ساتھ سسکیاں اور مترنم نغمے بھی ہوں گے جو لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کریں گے۔

ابو المعاطی کی بیٹھک طویل ہو گئی۔ وقت بھی موجود تھا۔ اُس کے ذہن میں وکیل کے ساتھ معاملے کا خیال آیا

اوراپنے والد سے کیا ہوا وعدہ بھی یاد آیا کہ میں ایک ہی دن میں اپنے شہر واپس لوٹ آؤں گا۔ وہ اُکتا کر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قاہرہ میں ایک دن ٹھہرنے کے بعد کل واپس لوٹ جاؤں گا۔ ایک طویل عرصے تک اپنے والد کے فائدے کے لیے مسلسل محنت ومشقت کرنے کے بعد کیا ایک دن بھی میں اپنے نصیب سے محظوظ نہ ہوں؟۔ اپنے خاندان کے فائدہ اور سہولیات کے لیے میں نے اپنا خون نچوڑ دیا۔ کیا طویل محنت ومشقت اور کام کی زیادتی کے بعد میرے لیے ایک لمحہ بھی نہیں کہ میں تھوڑا آرام کرلوں؟۔ اور سب سے بڑھ کر یہ جو پیسے میں نے جمع کیے ہیں اس پر صرف میرا حق نہیں۔ بلکہ میں اس میں اپنے والد کو بھی شریک کروں گا۔ کیا میں اتنا نافرمان ہو گیا ہوں کہ اپنے والد کا حصہ بھول جاؤں جبکہ وہ ہر معاملے میں میرے ساتھ ہیں۔

ابو المعاطی اسی سوچ میں ڈوبا ہوا اپنی جگہ پر براجمان تھا۔ بیمار ہوا کے جھونکے سایہ دار ستون کے نیچے آرہے تھے۔ پورے دن ابو المعاطی مسجد کے باہر بیٹھا رہا۔ اس کو خیرات ملتی رہیں۔ وہ ایک کے بعد ایک خیرات اُٹھا کر اپنی جیب میں بھرتا رہا۔ وہ خواہشات اور خوابوں میں گھوم رہا تھا۔ وہ پورے دن اسی طرح پڑا رہا اُٹھ نہ سکا۔ دن کے جس حصے میں بھی اس کو بھوک کا احساس ہوا تو اس نے پھیری والے سے کچھ نہ کچھ خرید کر کھالیا۔ مسجد کی طرف آنے جانے والے لوگوں کی وجہ سے وہ اپنی جگہ سے اُٹھ نہیں سکتا تھا۔ جب سورج غروب ہو گیا تو اس نے دیکھا کہ مسجد کے اطراف میں جو سائلین بیٹھے ہوئے تھے وہ ایک ایک کرکے منتشر ہونے لگے ہیں۔ کوئی اپنی عصا کھینچ رہا ہے تاکہ اُس کے سہارے چل سکے۔ کوئی اپنا سامان اپنے کندھوں پر لاد رہا ہے۔ کوئی اپنے لڑکے کو بُلا رہا ہے تاکہ وہ اُس کی رہنمائی کرسکے۔ ابو المعاطی اُٹھا انگڑائی لی اور چلنے کی تیاری کرنے لگا اس کے جوڑ طویل بیٹھک کی وجہ سے دکھنے لگے۔

بہت سے تنگ راستوں کو عبور کرتے ہوئے اس نے اپنی راہ لی۔ تمام سائلین جو مسجد کے دروازے پر اس کے ساتھ براجمان تھے اور جنہوں نے اپنے ہاتھ پٹیوں کے ذریعے گردن سے باندھے ہوئے تھے انہوں نے سب ہٹادیں۔ اور بینڈ یج بھی اُتار دی جو اُنہوں نے اپنی آنکھوں پر لپیٹی ہوئی تھیں۔ پھر وہ صحیح وسالم حالت میں آ گئے۔ اُن کی چمکتی ہوئی آنکھیں اندھیروں کے پردے چاک کررہی تھیں۔ ابو المعاطی ایک تنگ راستے سے سڑک پر آیا اور اس کے قدم ایک اچھے ہوٹل کی طرف بڑھ گئے جہاں اس نے اپنی پسند کا کھانا کھایا اور کل کی طرح سہانے خواب دیکھتے ہوئے رات گزاری۔

صبح سویرے بھکاریوں کا گروہ مسجد کے دروازے پر واپس آ گیا۔ ابو المعاطی نے اپنا اُلٹا ہاتھ گردن سے باندھ لیا اور سخت عصا کا سہارا لیتے ہوئے محنت ومشقت سے آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اپنی منتخب کردہ جگہ پر پہنچ گیا جہاں وہ کل براجمان تھا۔ ابھی وہ اپنی جگہ پر صحیح سے بیٹھا بھی نہ تھا کہ اس کے اردگرد سرگوشیاں ہونے لگیں اور غرانے کی آوازیں آنے لگیں۔ اس نے چپکے سے دیکھا تو وہ اس کی طرف نظروں سے اشارے کررہے تھے۔ ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ اس نے ایک بھکاری کو آتے ہوئے دیکھا جو اس سے پہلے نظر نہیں آیا۔ بھاری جسامت، چوڑے کندھے سفید مائل داڑھی، سر پر سبز رنگ کا عمامہ، مختلف رنگوں کے کپڑوں کے ٹکڑوں سے بنا ہوا جبہ زیب تن کیے ہوئے، گلے میں سخت

دانوں کی بڑی تسبیح جو سینہ تک لٹک رہی تھی۔ شیخ ابو المعاطی کی طرف بڑھ رہا تھا جیسے جیسے وہ قریب آرہا تھا اُس کے چہرے پر غصہ اور حیرت کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔ جب وہ تیزی سے بڑھنے لگا تو اُس کی آنکھیں اپنے ہدف پر ہی ٹکی ہوئیں تھیں۔ ساتھ بیٹھے ہوئے بھکاریوں کی غراہٹ بھی تیز ہو گئیں وہ سب شیخ کے قریب جمع ہو گئے بڑے ادبِ واحترام و محبت کے ساتھ اُن سے سلام دعا کرنے لگے۔ ابو المعاطی نے سُنا کہ شیخ اُس سے پوچھ رہا ہے:

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

اس نے جواب دیا: "میں اللہ کے گھر اور سیدہ طاہرہ کے مزار کے پاس آرام کرنے کے لیے آیا ہوں۔"

"یہ میری جگہ ہے۔ تم نے اس پر کیسے قبضہ کر لیا؟"

"جو بیٹھنا چاہے اُس کے لیے زمین کشادہ ہے۔"

"میں نے تم سے کہا کہ یہ میری جگہ ہے تمہیں یہاں سے ہٹنا ہو گا۔ ابو المعاطی نے اُس کی طرف شکاری نظروں سے دیکھا اور ناپسندیدگی سے کہا: "تم ہوتے کون ہو جو مجھ سے اس جگہ سے اُٹھنے کا مطالبہ کر رہے ہو؟"

"میں نے تم سے کہانا کہ یہ میری جگہ ہے۔ یہ پانچ سال سے میری جگہ ہے مجھے اپنے چچا سے وراثت میں ملی ہے۔ تم نے کیسے میری غیر موجودگی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس پر قبضہ کرنے کا سوچا؟ تمہیں میرے ساتھیوں میں شامل ہونے کے لیے پہلے مجھ سے اجازت لینی چاہیے؟ یا ان لوگوں کی طرح مجھ سے مدد طلب کرتے۔"

"میں تو اس پاکیزہ مزار کی مجاورت میں آرام و تبرک طلب کرتا ہوں۔"

"بکواس بند کرو! اس جگہ پر میری اجازت کے بغیر کوئی نہیں بیٹھ سکتا جب تک کہ میں اُس کے لیے جگہ مختص نہ کر دوں اور نہ ہی کوئی میری خلاف ورزی کرتا ہے۔"

ابو المعاطی پُر سکون رہا اور نظریں دوڑاتا رہا۔ اُس نے شیخ کے بڑھتے ہوئے قدموں کو محسوس کیا جو کہہ رہے تھے: "میں نے تم سے کہانا ہٹ جاؤ! ورنہ اس کا انجام بُرا ہو گا۔"

اسی دوران مسجد سے ایک آدمی نمودار ہوا۔ اُس نے ابو المعاطی کی جھولی میں سکہ ڈال دیا اور لڑکھڑاتے ہوئے چل دیا۔ شیخ نے جیسے ہی سکہ دیکھا وہ اُس پر شکرے کی طرح ٹوٹ پڑا۔ ابو المعاطی کو محسوس بھی نہیں ہوا کہ اُس نے شیخ پر چھلانگ لگادی اور اُس کے ہاتھوں کو سختی سے دبایا اور سکہ چھین لیا۔ پلک جھپکتے ہی اُس نے اپنے آپ کو ایک زبردست لڑائی میں مشغول پایا۔ یہ تصادم جاری رہا دونوں ایک دوسرے پر چھلانگ لگاتے اور غلبہ پاتے رہے، ساتھی اردگرد کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ ابو المعاطی مسلسل سخت پکڑ محسوس کر رہا تھا جو اس کے اعضاء میں سرائیت کر رہی تھی۔ اس کے دل میں غیرت کے جذبات اُمڈ رہے تھے، اُس نے تمام صورتحال کو بھڑکتے ہوئے اعصاب سے بدل دیا۔ اُس نے شیخ کو دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا اور اُس پر گھونسوں کی بارش کر دی وہ منہ کے بل لیٹا ہوا تھا۔ شیخ پسپا ہو گیا اور مدد و بچاؤ کے لیے پکارنے لگا۔ ابو المعاطی شیخ کو گھٹنے سے پکڑے ہوئے چیتے کی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اُس کے چہرے سے حیرت اور

خوف کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ اُس کے رفقاء اس کی نظروں میں چھوٹے ہو گئے۔ اُن کے دل میں ڈر بیٹھ گیا اور کسی نے بھی اپنے بڑے شیخ کی مدد کرنے کی ہمت نہیں کی۔ ابو المعاطی اپنی ساخت سے ہی ڈراؤنا تھا۔ اس کی ہیبت سے خوف ٹپک رہا تھا۔ وہ دوبارہ اپنے شکار کی طرف پلٹا اُس پر نظریں دوڑائیں اور مطمئن ہو گیا کہ شیخ اب دوبارہ مقابلہ نہیں کر سکتا تو اس کو وہیں پڑا چھوڑ کر اپنی جگہ پر حاکمانہ اور متکبرانہ انداز میں بیٹھ گیا۔ ابو المعاطی نے اپنے کپڑے درست کئے، اور اپنے چہرے سے مٹی صاف کی۔ کچھ ہی دیر کے بعد شیخ مایوسی اور شکست خوردہ حال میں اُٹھا اور اس سرکش شیطان سے دور ایک کنارے پر سکون سے بیٹھ گیا۔ ابو المعاطی نے سکون کا سانس لیا۔ اپنے عصا کو چھوا جو اس نے خوشی کے مارے زمین پر پھینک دیا تھا۔ اس کے چہرے پر خبیثانہ مسکراہٹ آ گئی اور تمام ساتھی فاتحانہ نگاہوں سے اسے دیکھتے رہے۔ پھر منتشر ہو گئے ہر کوئی اپنی مقرر کردہ جگہ کی طرف چلا گیا۔

ابو المعاطی کو اپنے اوپر بڑی حیرت ہوئی کہ کس طرح اُس نے اس سرکش کو رسوا کر دیا۔ اور کس طرح اس مقام پر قبضہ کر لیا اور کس طرح اس کے سر کو پاؤں رکھنے کی جگہ بنا دیا؟ اسے کھیت میں پیش آنے والے واقعات یاد آ گئے: ایک دفعہ بیل کو روکنے لگا تو وہ کھیت سے ہی بھاگ گیا۔ ایک دفعہ بھاری بھر کم پانی کا ڈول اُس نے اپنے بازوؤں سے گھما دیا۔ اس کی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اس نے قدموں کی آہٹ کو محسوس کیا جو اس کے قریب آ رہی تھی۔ اس نے اپنا سر جھکا لیا اور چہرے کے تاثرات کو ایک دردمند کی طرح پریشان کن بنا لیا اور آہستگی سے بڑبڑانے لگا۔ اس کی ہتھیلی پر ایک سکہ گرا، اس نے فوراً جیب میں رکھ لیا اور دوبارہ سے بڑبڑانا شروع کر دیا۔

دوسرے دن ابو المعاطی صبح سویرے اُٹھ گیا اور مسجد کے باہر اپنی جگہ پر جلدی آیا تو اس نے کل والے شیخ کو سبز عمامہ پہنے اپنی جگہ پر قابض پایا۔ جس کو اس کے چند پیروکاروں نے گھیر رکھا تھا۔ ابو المعاطی نے خاموشی سے اس کی طرف رخ کیا۔ اس نے چاہا کہ سختی سے اس کا گریبان پکڑ کے اُسے اپنی جگہ سے دور کر دے لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے پیروکار اس کے گرد جمع ہیں۔ اور اپنے اپنے حصے کی دردناک ضرب اور شدید گھونسے برسا رہے ہیں۔ ابو المعاطی نے اس پر شدید پکڑ کا بوجھ محسوس کیا۔ اور اس بات کی توقع کرنے لگا کہ جلد ہی اس کی ہزیمت سے یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اور اس کے ذہن میں پیسوں کا خیال آنے لگا جو اس کی جھولی میں گرنے شروع ہو جائیں گے۔ اور اس کی ناک میں باربی کیو کی خوشبوئیں مہکنے لگیں جو وہ پیٹ بھر کر کھاتا ہے۔ عصا اس کے ہاتھ میں غیض وغضب کے عالم میں حرکت کرنے لگا۔ پھر اُس پر سے مجمع چھٹ گیا اور وہ شیخ کی فریاد سنے بغیر وہاں سے بھاگ گئے۔ مریدین میں سے چند لوگ جن کا لڑائی سے کوئی تعلق نہیں تھا، ابو المعاطی کے نزدیک آئے اور اس کے کپڑوں کو پکڑ لیا اور وہ چیخ رہے تھے: "اللہ تمہاری حفاظت کرے تمہارے سوا اور کسی کا کام نہیں۔"

اور پھر حمایت میں آوازیں بلند ہونے لگیں۔ ابو المعاطی نے دیکھا کہ چیخنے والے افراد اس کے قریب آ رہے ہیں اور اس سے محبت والفت کا اظہار کر رہے ہیں اور اس کی چادر سے گرد وغبار صاف کر رہے ہیں۔ ابو المعاطی درمیانہ چال

چلتے ہوئے اپنی مقررہ جگہ پر لوٹ آیا اور تکبرانہ انداز میں سینہ چوڑا کر کے بیٹھ گیا۔ جبکہ سبز عمامے والا دور کنارے پر بیٹھا ہوا تھا جہاں کل اُس نے پناہ لی تھی۔ وہ اس میں دبک کر سکڑا ہوا بیٹھا تھا۔

اگلے دن ابو المعاطی سر پر سبز رنگ کا بھاری عمامہ اور مختلف رنگوں سے مزین پیوند لگا جبہ زیب تن کر کے مسجد کی طرف آیا۔ اس کے سینے پر سو دانوں کی سخت مالا لٹک رہی تھی۔ اس نے اپنے ارد گرد پیروو کاروں کو سلام و دعا اور محبت و مودت کا اظہار کرتے ہوئے پایا۔ پھر وہ پُر سکون انداز میں چلتا ہوا اپنی سایہ دار جگہ پر پہنچ گیا اور آرام سے بیٹھ گیا۔

شیخ ابو المعاطی کے ذہن میں اپنے والد کا خیال آیا جو اُس سے پوچھ رہے ہیں کہ کام کا کیا ہوا؟ اور کتنے پیسے جمع کیے؟ اُس نے محسوس کیا کہ اس کی عصا اُنگلیوں کے درمیان ہل رہی ہے۔ اُس نے عصا کو کئی بار زمین پر ٹھونکا۔ اپنے دانت پیسے اور اس کے حلق سے ایک تمسخرانہ انداز میں شیطانی قہقہ نکلا۔

❊

حوالہ جات

۱۔ زیات، احمد حسن، تاریخ ادب عربی، دار النھضۃ للطبع والنشر، مصر، طبع اول، ص ۴۳۶-۴۳۷۔

۲۔ بدرالدین الحافظ، پروفیسر، مصر کے مشہور ناول، افسانے اور ڈرامے، نئی کتاب پبلشرز، نئی دہلی، جون ۲۰۰۸ء، ص ۴۷

۳۔ موپساں (۱۸۵۰ء-۱۸۹۳ء) انیسویں صدی کا مشہور فرانسیسی ادیب ہے جسے جدید افسانہ نگاری کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ فطرت نگاری اور حقیقت پسندی اس کے افسانوں کا خاصہ ہے۔

۴۔ انتون پاؤلاوچ چیخوف (۱۸۶۰ء-۱۹۰۴ء)، روسی افسانہ نگار اور ڈراما نویس تھا۔ ۱۸۸۴ء میں انیس برس کی عمر میں چیخوف کے قلمی نام سے پہلا افسانہ لکھا اور مشہور ہو گیا۔ روسی ادب کو نئے ادبی رجحان سے روشناس کروانے میں اس کا اہم کردار ہے۔ سماجی حقیقت نگاری میں کمال حاصل تھا۔ تنقید اور طنز و مزاح کے ذریعے اس نے معاشرتی بُرائیوں کی نشاندہی کی ہے۔

۵۔ ایوان ترگنیف (۱۸۱۸ء- ۱۸۸۳ء) روس کا عظیم ڈراما نویس، ناول و افسانہ نگار تھا جس کی تحریروں سے بڑے بڑے ادیب اور دانشور متاثر ہوئے۔ اس کا مشہور ناول "کھلاڑیوں کے خاکے" روسی کاشتکاروں کی آزادی کا اولین محرک تھا۔

۶۔ فتحی الابیاری، مجموعة محمود تیمور، شرکۃ مصریۃ عالمیۃ للنشر، ۱۹۹۵ء، مصر، طبع اول، ص ۵۔

۷۔ خیر الدین الزرکلي، الأعلام، الطبعۃ الخامسۃ عشر، العلم للملایین، بیروت۔ لبنان، ج ۷، ص ۱۶۵۔

۸۔ أنور الجندي، قصة محمود تیمور، مصر، دار أحیاء الکتب العربیۃ، مصر، ۱۹۵۱ء، طبع اول، ص ۵-۶۔

۹۔ سید احتشام ندوی، ڈاکٹر، جدید عربی ادب کا ارتقاء، حیدر آباد۔ انڈیا، ۱۹۶۹ء، طبع اول، ص ۳۸۔

۱۰۔ شوقي ضیف، دکتور، الادب العربي المعاصر في مصر، دار المعارف، قاہرہ۔ مصر، ۱۴۳۶ھ، طبع دوم، ص ۳۰۳۔

۱۱۔ محمود تیمور، إحسان لله و قصص أخری، دار المعارف، قاہرہ، ۱۹۴۹ء، طبع اول۔